POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 10-11 January 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 09-01-2025 • Price: 5/- • 15-21 January 2025 • Issue: 3 • Vol:84

۱۵تا۲۱ جنوری ۲۰۲۵ء • شمارہ:۳ • جلد:۸۴

صحتِ زبان (۲۳)

رؤف پاریکھ

☆ مطمع نظر نہیں، مطمحِ نظر

عربی میں ایک لفظ ہے مطمح، جس کے معنی ہیں: نگاہ اٹھنے کی جگہ، مقام جہاں نظر ہو، نیز یہ مقصد کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ اردو میں ترکیب ہے مطمحِ نظر اور اس کے معنی ہوئے نظر کا مقصد یا ہدف، نگاہ کا مرکز یعنی جہاں نظر ہو نیز مرادِ اصلی، اصلی مقصد، اصل منشا یا ارادہ[1]۔ اسی لیے درست ترکیب مطمحِ نظر ہے لیکن بعض اوقات اسے مطمعِ نظر لکھ دیا جاتا ہے (یعنی م ط م ح کے بجاے م ط م ع) جو درست نہیں ہے۔ مطمح کا مادّہ 'ط۔م۔ح' ہے اور مطمع کا مادہ ہے 'ط۔م۔ع'۔ طمع یعنی لالچ اور مطمع کے لفظی معنی ہیں لالچ کی جگہ، مراداً: وہ جس کی خواہش کی جائے[2]۔

اس لیے درست ترکیب مطمحِ نظر یا مطمحِ نگاہ ہے۔ اس ترکیب کا درست استعمال مثلاً یوں ہوگا: علمی اداروں کا مطمحِ نظر علم کا فروغ ہونا چاہیے نہ کہ منافع کمانا۔

☆ معرکہ آرا یا معرکۃ الآرا؟

بعض مرکبات ایسے ہیں کہ ان کے دو املا رائج ہیں اور دونوں ہی مستعمل ہیں۔ ان مرکبات میں 'معرکہ آرا' کی ترکیب بھی شامل ہے جسے 'معرکۃ الآرا' بھی لکھا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ معرکہ آرا ہی درست ہے اور معرکۃ الآرا لکھنا غلط ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ 'آرا' فارسی ہے اور فارسی لفظ پر عربی کا 'ال' نہیں آسکتا (ال عربی میں حرفِ تعریف ہے جو نکرہ کو معرفہ بنا دیتا ہے)۔

جو لوگ معرکہ آرا کو درست اور معرکۃ الآرا کو غلط قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ 'معرکہ آرا' میں 'معرکہ' کا لفظ عربی ہے اور 'آرا' کا لفظ فارسی ہے (یہاں 'آرا' اردو کا وہ آرا نہیں ہے جو لکڑی وغیرہ کاٹنے کے کام آتا ہے اور جس کی تصغیر و تانیث آری ہے)۔ نہ یہ عربی کا آرا (یعنی راے کی جمع، بہت سی رائیں) ہے بلکہ یہ دراصل فارسی کے مصدر 'آراستن' سے ہے۔ آراستن کے معنی ہیں سجانا، سنوارنا۔ اسی سے آراستہ کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں سجا ہوا۔ یہی فارسی کا آرا کسی اور لفظ کے ساتھ بطورِ لاحقہ مل کر اُس میں اسمِ فاعل کے معنی پیدا کر دیتا ہے اور جو معنی دیتا ہے وہ یہ ہیں: جو سجائے یا جس سے کوئی چیز سج جائے، یعنی سجانے والا، زینت دینے والا۔ اردو لغت بورڈ کی لغت کے مطابق اس کے ایک معنی ''برپا کرنے والا'' بھی ہیں[3]۔ اس مفہوم میں فارسی کا لاحقہ 'آرا' مرکبات میں بھی مستعمل ہے۔ وحید الدین سلیم نے اپنی کتاب 'وضعِ اصطلاحات' میں آرا کے لاحقے کے ساتھ جو تراکیب درج کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: انجمن آرا، جہاں آرا، صف آرا، گیتی آرا، بزم آرا، جلوہ آرا، معرکہ آرا، مسند آرا[4]۔ اسی طرح عالم آرا، فتنہ آرا، محفل آرا، انجمن آرا، لشکر آرا اور حسن آرا وغیرہ کی تراکیب بھی اردو میں استعمال ہوتی ہیں۔ سریر آرا بھی اردو میں رائج ہے۔ سریر عربی کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں تخت، اسی لیے جب یہ لکھنا ہوتا کہ فلاں بادشاہ تخت نشین ہوا تو لکھتے کہ سریر آرا ہوا، یا سریر آراے سلطنت ہوا یعنی اس کے بیٹھنے سے تخت سج گیا (یہ غالباً سرکاری پریس نوٹ ہوتا ہوگا)۔

اسی آراستن سے 'آرائی' بھی ہے یعنی سجانے کا عمل، یا برپا کرنے کا عمل۔ اس سے بھی تراکیب بنیں جیسے بزم آرائی، جلوہ آرائی، معرکہ آرائی، انجمن آرائی، لشکر آرائی وغیرہ۔ اور ہنگامہ آرائی تو اب بہت عام ہے۔ قومی اسمبلی میں بھی ہوتی ہے۔

عربی کے لفظ معرکہ کے معنی ہیں جنگ، لڑائی، جھگڑا۔ معرکہ میدان اور میدانِ جنگ کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس کا ایک مفہوم اردو میں ہنگامہ یا بھیڑ بھاڑ اور دھوم دھام بھی ہے۔ یہ اختلاف یا قضیے کے معنی میں بھی آتا ہے[5]۔ گویا معرکہ آرا کے لفظی معنی تو ہوئے جنگ (کا سامان) سجانے والا، جنگ آور، صف آرا، جنگ برپا کرنے والا۔ معرکہ آرا ہونا کے معنی ہیں جنگ کرنا، جنگ برپا کرنا، مقابلہ کرنا۔ اقبال نے بانگِ درا میں شامل اپنی نظم 'شکوہ' کے چھٹے بند میں کہا ہے:

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں

یہاں اقبال کی مراد جنگ کرنے سے ہے۔ معرکہ آرا کے ایک مُرادی یا مَجازی معنی بھی ہیں اور وہ ہیں: زبردست، پُر زور، غیر معمولی[6]۔ کوئی مضمون یا تقریر بہت زوردار ہو تو کہتے ہیں معرکہ آرا مضمون یا معرکہ آرا تقریر ہے۔ جب کہتے ہیں کہ فلاں صاحب نے فلاں رسالے میں ایک معرکہ آرا مضمون لکھا تو اس سے ہماری مراد ہوتی ہے کہ ''انھوں نے زبردست مضمون لکھا''۔ یہاں معرکہ آرا کو ہم صفت (adjective) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

بعض اوقات اس ترکیب کا املا معرکۃ الآرا بھی کیا جاتا ہے اور کچھ لوگ اسے درست قرار دیتے ہیں۔ اسے درست قرار دینے والوں کا کہنا ہے کہ یہ آرا فارسی کا نہیں بلکہ عربی کا ہے اور راے کی جمع ہے۔ معرکۃ الآرا یعنی رایوں کا معرکہ۔ البتہ قیوم ملک نے اپنی کتاب ''اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ'' میں لکھا ہے کہ صحیح ترکیب معرکہ آرا ہے اور معرکۃ الآرا مہمل ترکیب ہے[7]۔ لیکن شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عربی کے لحاظ سے یہ ترکیب (بمعنی اہم یا اعلیٰ یا زبردست) غلط ہے کیونکہ معرکۃ الآرا کا مطلب ہوگا رایوں یعنی (آراء) کا معرکہ۔ اس کے بعد فاروقی صاحب لکھتے ہیں کہ اعتراض تو درست ہے لیکن معرکۃ الآرا عربی ترکیب نہیں بلکہ اردو ہے۔ یہ بھی ان تراکیب میں سے ہے جو اردو والوں نے بنا لی ہیں اور انھیں رواجِ عام کی سند حاصل ہے[8]۔ فاروقی صاحب کی بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ معرکۃ الآرا کی ترکیب اردو میں رائج رہی ہے اور اسے زبردست، پُرزور یا غیر معمولی کے مفہوم میں مولوی نذیر احمد اور شبلی نعمانی نے بھی استعمال کیا ہے، جیسا کہ اردو لغت بورڈ نے اپنی لغت میں لفظ معرکہ کے تحت مرکبات میں 'معرکۃ الآرا' کا بھی اندراج کیا ہے اور نذیر احمد

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

اورشبلی نعمانی کی اسناد دی ہیں(اور نذیر احمد اور شبلی کی عربی دانی اور فارسی فہمی میں کیا کلام ہوسکتا ہے)۔البتہ معرکۃ الآرا کے ضمن میں بورڈ نے تین ہی اسناد دی ہیں اوراس کے بعد معرکہ آرا کا اندراج کیا ہے اوراس کی متعدد اسناد دی ہیں۔بظاہر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ معرکہ آرا زیادہ رائج رہا ہے اورمعرکۃ الآرا غلط تو نہیں ہے مگر کم مستعمل رہا ہے۔

☆ مُلتوی یامَنسوُخ؟

کورونا یا کووِڈ نائنٹین (Covid 19) کے دنوں میں دنیا کے کاموں میں رخنہ پڑ گیا،شادیوں میں بھی کھنڈت پڑ گئی اورامتحانات بھی رُک گئے۔لیکن یہ رکاوٹ عارضی تھی۔

اگرکسی کام میں عارضی رکاوٹ پڑ جائے تو اسے تعطّل اور اِلتوا کہتے ہیں۔ جو چیز اِلتوا میں پڑ جائے ، یعنی جو وقتی طور پر ٹل جائے اوراس کے بعد میں ہونے کا اعلان یا امکان ہو،اسے مُلتوی کہتے ہیں۔کسی کام کے ہونے کا بالکل ہی امکان نہ ہواوراسے پچھلے اعلان کے برعکس ختم کرنے کاارادہ کیا جائے اور کہا جائے کہ اب یہ کبھی نہیں ہوگا تو اس عمل کو تنسیخ کہتے ہیں۔جس کی تنسیخ ہوا سے منسوُخ کہا جاتا ہے۔لیکن جب سے ہمیں اردو میں انگریزی ملانے کا وائرس چمٹا ہے تب سے اِلتوا میں پڑے کام کو چشمِ بددور انگریزی لفظ کی مدد سے ملتوی کیا جاتا ہے یعنی اسے 'پوسٹ پونڈ' (postponed) کہا جاتا ہے۔جس کام کی تنسیخ مقصود وہ ہو بھی ماشاء اللہ انگریزی کی مدد سے منسوخ ہوتا ہے اور اسے 'کینسلڈ' (cancelled) کہتے ہیں۔

گویا کورونا کے مَرَض کی وجہ سے شادیاں اور امتحانات دونوں اِلتوا میں پڑ گئے تھے یعنی ملتوی ہوگئے تھے۔مراد یہ کہ عارضی طور پر ٹل گئے ،بعد میں کسی وقت ہوئے ۔لیکن ہمارے ٹی وی چینلوں کے خبریں لکھنے (اور پڑھنے) والے کیسے ظالم لوگ ہیں کہ انھوں نے اُس زمانے میں یہ خبر اس طرح نشر کی کہ ''طلبہ کے امتحانات منسوخ کردیے گئے''۔امتحانات کے ملتوی کی بجائے منسوخ ہونے پر طلبہ تو خیر جشن منا رہے ہوں گے لیکن جو لوگ بڑے ارمانوں سے اپنے بیاہ کے منتظر تھے ان کے دل کا حال کوئی اُنھیں سے پوچھے۔وہ تو خیریت گزری کہ ہم جیسے دوچار لوگوں نے مستقبل کے دولھا دلھنوں کو اطمینان دلایا کہ آپ کی شادی ملتوی ہوئی ہے منسوخ نہیں ، بعد میں ضرور ہوگی ۔ٹی وی کے اردو چینل والوں کو کہنے دیں، یہ بے چارے معصوم لوگ ہیں،انھیں اردو نہیں آتی ۔لیکن کاش کوئی ٹی وی کی خبروں میں ایسی غلط زبان لکھنے والوں کی ملازمت کا پروانہ 'منسوخ' کرادے تو ہم بھی طلبہ کے ساتھ جشن منائیں گے۔سرِ دست،ان کے تقررنامے منسوخ ہونے تک، ہمارا جشن ملتوی ہے۔

☆ منتخَب یامنتخِب؟

جیسا کہ پہلے بھی ان کالموں میں عرض کیا گیا ہے،عربی میں زیر اور زبر سے مفہوم بدل جاتا ہے۔لیکن اردو میں مستعمل عربی الفاظ کے ضمن میں اس طرح کی اغلاط پر بالعموم کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔مثلاً انتخابات کے بعد جو حکومت آتی ہے وہ منتخَب (خے پر زبر) ہوتی ہے لیکن اکثر لوگ اسے منتخِب (خے کے نیچے زیر) بولتے ہیں حالاں کہ اس سے مطلب اُلٹ جاتا ہے۔

منتخَب (خے پر زبر) کے معنی ہیں جس کا انتخاب ہوا ہو، انتخاب کیا ہوا، چُنا ہوا،مثلاً منتخَب نمائندے، منتخَب حکومت۔لیکن منتخِب (خے کے نیچے زیر) کا مطلب ہے جو انتخاب کرے، جو چُنے، جس نے انتخاب کیا ہو۔یعنی عوام یا ووٹ دینے والے منتخِب (خ کے نیچے زیر) ہوتے ہیں (انتخاب کرتے ہیں) اور انتخابات میں جیت کر آنے والے نمائندے منتخَب (خے پر زبر) ہوتے ہیں،ان کو چُنا جاتا ہے۔گویا ہماری حکومت منتخَب ہے اور ہم منتخِب ہیں۔لیکن ٹی وی کے میزبانوں کو یہ کون سمجھائے؟ نجانے یہ میزبان کیسے منتخَب ہوجاتے ہیں؟

☆ نفْس یانفَس؟

نفس (نون پر زبر، فے ساکن) اور نَفَس (نون پر زبر، فے پر بھی زبر) دونوں درست ہیں، دونوں عربی کے لفظ ہیں لیکن دونوں کے مفہوم میں فرق ہے۔البتہ ان کے استعمال میں بعض لوگ بعض اوقات گڑبڑ کردیتے ہیں جس سے مفہوم بدل جاتا ہے اور اگر یہ شاعری میں ہو تو مصرع بھی بحر سے خارج ہوجاتا ہے۔

نفس (فے ساکن) کے معنی ہیں: جان، روح[۹]۔ یہ ہستی یا وجود کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔یہ کبھی انسان یا شخص کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے[۱۰]، اس کی جمع عربی میں اَنفُس (الف مفتوح، نون ساکن، فے مضموم) بھی آتی ہے اور نُفوُس (نون پر پیش اور واوِ معروف) بھی اور اسی لیے نیک لوگوں، بزرگانِ دین، اولیا، پیغمبروں یا فرشتوں کو نفوسِ قدسیہ (یعنی پاک روحیں) یا نفوسِ اقدس بھی کہا جاتا ہے[۱۱] (یہ اور بات ہے کہ عربی کے منتہی کہتے ہیں کہ اقدس عربی میں کوئی لفظ نہیں ۔یہ طالب علم عرض کرتا ہے کہ یہ اردو والوں نے لفظ 'مقدس' کی تفضیل گھڑ لی ہے لیکن اب رائج ومقبول ہے)۔بڑے لوگوں کو احتراماً 'نفسِ نفیس' (نفس میں فے ساکن) یعنی نفیس وجود کہا جاتا ہے اور 'بنفسِ نفیس' کا مطلب ہے بذاتِ خود یا ذاتی طور پر،اوراس میں احترام کا مفہوم موجود ہے۔نفسِ مضمون' کی ترکیب میں نفس (فے ساکن) اصلیت یا موضوع کے مفہوم میں ہے۔نفس کا لفظ مادی یا جسمانی خواہش کے لیے بھی آتا ہے اور نفسِ امّارہ اور نفس پرستی جیسی تراکیب میں یہی نفس (فے ساکن) ہے۔ جب نفسانی خواہشات کو روکا جائے تو اسے نفس کُشی کہتے ہیں۔

لیکن ایک دوسرا لفظ ہے نَفَس (نون اور فے پر زبر) اور اس کا مفہوم ہے: سانس، تنفس[۱۲]۔نَفَس کی جمع اَنفاس ہے۔غالب نے کہا کہ:

نَفَس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں ، انتظارِ ساغر کھینچ

نَفَس دم یا پھُونک کے معنی میں بھی آتا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھونک مار کر اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے جسے دمِ عیسیٰ یا نَفَسِ عیسیٰ یا نَفَسِ مسیحا کہا جاتا ہے۔ جو طبیب بہت حاذق ہو اور قریبِ موت مریضوں کو شفایاب کرے اسے عیسیٰ نَفَس یا عیسیٰ دَم کہتے ہیں اور یہ عمل عیسیٰ نَفَسی یا عیسیٰ دَمی کہلاتا ہے[۱۳]۔ اَنفاسِ مسیحائی سے بھی عیسیٰ نَفَسی مراد ہوتی ہے کیوں کہ اَنفاس اسی لفظ نَفَس کی جمع ہے۔جب اکبرا لٰہ آبادی نے الٰہ آباد سے علامہ اقبال کو لاہور لنگڑا آم بھجوائے تو اقبال نے رسید کے طور پر یہ شعر لکھ بھیجا:

اثر یہ تیرے انفاسِ مسیحائی کا ہے اکبرؔ
الٰہ آباد سے لنگڑا چلا، لاہور تک پہنچا[۱۴]

نَفَس لمحے یا گھڑی کے معنی میں بھی آتا ہے۔یہ لفظ قول یا خیال کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسی لیے اقبال نے کہا کہ:

اقبال کے نَفَس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

گویا نفس (فے ساکن)اور نَفَس (فے پر زبر) کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

حواشی:

۱ القاموس الوحید (عربی اردو)، مرتبہ وحیدالزماں قاسمی کیرانوی (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء)؛ نیز اردو لغت (تاریخی اصول پر) بورڈ جلد ۱۸، مرتبہ ومطبوعہ اردو لغت بورڈ، کراچی، ۲۰۰۲ء۔
۲ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۱۸، محولۂ بالا۔
۳ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول، مرتبہ ومطبوعہ اردو لغت بورڈ، کراچی، ۱۹۷۷ء۔
۴ وضعِ اصطلاحات (کراچی: انجمن ترقیِ اردو، ۱۹۶۵ء)، ص ۷۰ (اشاعتِ پنجم)۔
۵ اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد ۱۸، محولۂ بالا؛ نیز قاموس الوحید، محولۂ بالا۔
۶ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۱۸، محولۂ بالا۔
۷ (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۱۹۷۹ء) (اشاعتِ اول)۔
۸ لغاتِ روزمرہ (کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۰۳ء)، ص ۲۰۵ (اشاعتِ دوم)۔
۹ قاموس الوحید، محولۂ بالا، ؛ نیز اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۲۰، مرتبہ ومطبوعہ اردو لغت بورڈ، کراچی، ۲۰۰۵ء۔
۱۰ ایضاً؛ نیز ایضاً۔
۱۱ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۲۰، محولۂ بالا۔
۱۲ ایضاً۔
۱۳ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۹، مرتبہ ومطبوعہ اردو لغت بورڈ، کراچی، ۱۹۸۸؛ نیز اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۱۳، مرتبہ و مطبوعہ اردو لغت بورڈ، کراچی، ۱۹۹۱ء۔
۱۴ کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال ، مرتبہ صابر کلوروی ، لاہور: اقبال اکیڈمی، ۲۰۰۴ء ص ۵۲۹ (طبعِ اول)۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 350 روپے

رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟
ڈاکٹر شمس بدایونی
قیمت: 300 روپے

بے ہجرتی کے دکھ کا شناس نامۂ معکوس ’مہاجر نامہ‘

رؤف خیر

منور رانا تعمیر کرنے پر آتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ ’’اپنے نقشے کے مطابق یہ زمیں کچھ کم ہے‘‘ بلکہ بغیر نقشے کے بھی مکان اس ہنرمندی پر بناتے ہیں کہ کیا مجال کوئی دریچۂ شعری بے بحر یا روشن دانِ سخن ایطا کا شکار ہوجائیں۔ انھیں اپنا شعر مکمل کرنے کے لیے کسی چاند کو بام پر بلانا نہیں پڑتا۔ گاؤں میں شہر یا شہر میں گاؤں بسانے کا وہ جگاڑ نہیں چلاتے۔ وہ بڑے اعتماد سے اپنے استاد کی آواز میں آواز ملا کر کہتے ہیں:

ہم جیسے ہیں ہم جو کچھ ہیں ویسے ہی دکھائی دیتے ہیں
چہرے پہ بھبول نہیں ملتے ہم کالے بال نہیں کرتے

منور رانا نے انعامات و اکرامات کو نگاہِ رشک سے نہیں دیکھا بلکہ خلعتِ فاخرہ نے خواہش کی کہ وہ زیبِ قدِ رعنا ہوجائے۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ منور رانا نے خلعتِ فاخرہ سے دست برداری ہی کو اعزاز سمجھا۔ حوصلہ مند کبھی تخت و تاج کو ٹھکرا دیتے ہیں تو کبھی ’پاپوشِ جاناں‘ کو سرافراز کرنا بھی مصلحت سمجھتے ہیں۔ ابوالکلام کے ’الہلال‘ و ’البلاغ‘ کے قولِ فیصل پر اعتماد کرتے ہوئے خوش گماں اسلاف کی طرح منور رانا نے ہجرت تو نہیں کی مگر ’مہاجر نامہ‘ لکھ کر ہجرت کے کرب کو شعری اظہار دیا ہے۔ اس کے بعض اشعار میں وہی لذتِ مئے ناب ہے جو ریاض کو ’خراب آباد‘ ہونے نہیں دیتی خیر آبادی ہی رکھتی ہے۔ یہ مہاجر نامہ ’بے ہجرتی‘ کے دکھ کا شناس نامۂ معکوس ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں کسی ساجدِ بے مسجد سے مکالمے کی تمہید باندھی گئی ہے اور بعض مہاجروں کے جذبات کی عکاسی کی کوشش بھی کی گئی ہے اور سیاسی و سماجی منظر و پس منظر کے دھندلکوں پر انشا پردازی کی گئی ہے:

مہاجر ہیں مگر ہم ایک دنیا چھوڑ آئے ہیں
تمھارے پاس جتنا ہے ہم اتنا چھوڑ آئے ہیں
یہ ہجرت تو نہیں تھی بزدلی شاید ہماری تھی
کہ ہم بستر پہ اک ہڈی کا ڈھانچا چھوڑ آئے ہیں
مہاجر اس لیے ہم ہیں کہ اک مصرعے کی صورت میں
یہاں آتے ہوئے ہم ایک مصرع چھوڑ آئے ہیں
ہماری اہلیہ تو آ گئیں، ماں چھٹ گئی آخر
کہ ہم پیتل اٹھا لائے ہیں سونا چھوڑ آئے ہیں

’مہاجر نامہ‘ منور رانا کی پُرگوئی کی مثال ہوکر رہ گیا ہے۔

منور رانا کو جس طرح فقرہ کسنا آتا ہے اُسی طرح مصرع کہنا بھی آتا ہے اور میرا خیال ہے کہ مصرع کہنا سب کو کہاں آتا ہے ویسے اشعار کے ڈھیر لگانے والے تو بہت ہوتے ہیں اِسی لیے میں نے کہا ہے۔

شعر کہنا اگر آ جائے تو مصرع کہنا
آتے آتے تمھیں آ جائے گا مطلع کہنا

میں مانتا ہوں کہ منور رانا اپنی غزل میں فلسفیانہ گتھیاں نہیں سلجھاتے اور غالبؔ کو بھی تو غالب ان کے عوامی اسلوب ہی نے بنایا ہے بعد میں اِن کی مشکل گوئی کی داد دی گئی اور تشریحات و تفہیمات کا سلسلہ مولانا حالیؔ سے شمس الرحمٰن فاروقی تک پھیلتا گیا۔ شکر ہے کہ منور رانا کو سمجھنے کے لیے کسی آل احمد سرور یا کسی یوسف سلیم چشتی کی ضرورت نہیں پڑتی کہ ان کو تو دل میں اتر جانے والا مقبولِ عام لہجہ ودیعت ہوا ہے۔

بہت پانی برستا ہے تو مٹی بیٹھ جاتی ہے
نہ رویا کر بہت رونے سے چھاتی بیٹھ جاتی ہے
سیاست نفرتوں کا زخم بھرنے ہی نہیں دیتی
جہاں بھرنے پہ آتا ہے تو مکھی بیٹھ جاتی ہے
وہ دشمن ہی سہی آواز دے اس کو محبت سے
سلیقے سے بٹھا کر دیکھ ہڈی بیٹھ جاتی ہے

یہ اشعار تو منور رانا کو چھاتی پھلا کر چلنے پر آمادہ کرتے ہیں یہ حوصلہ اوپر کا دودھ پینے سے نہیں آتا۔ وہ نقاد جو اپنی پیٹھ پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے انھیں خبر ہوگئی ہوگی کہ دو مصرعوں کو دولخت ہونے سے بچا کر کیسی ہنرمندی اور کس سلیقے سے رانا نے جوڑا جیسے ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑی جاتی ہے۔ یہ ڈکشن اردو ادب کے لیے یکسر نیا اور قابلِ داد ہے ورنہ کارزار شعر میں دولختگی کے ڈھیر لگانے والوں نے جراحتِ شعری کی صنعت کو کافی فروغ دیا ہے اور پھر یوں ہوا کہ:

تکلفات نے زخموں کو کردیا ناسور
کبھی مجھے کبھی تاخیر چارہ گر کو ہوئی

یا بعض یاروں نے تھوک کے بھاؤ ایسے ایسے شعر کہے کہ کسی ایک غزل کا ایک مصرع اسی بحر میں کہی ہوئی غزل کے کسی شعر کے کسی مصرعے سے جوڑ دیں تب بھی شعر کی صحت پر اثر نہیں پڑتا۔

ویسے بھی منور رانا منہ طرف نقاد شریف کہہ کر شعر کی نیت نہیں باندھتے وہ تو جب سلام پھیرتے ہیں تب پتا چلتا ہے کہ خود اِن کی اقتدا میں بڑے بڑوں نے فرض کی تکمیل کرلی ہے۔ ان دنوں ادبی ٹھیکیداروں نے اردو غزل کی ستّر کی دہائی، اسّی کی دہائی جیسی سن واری غیر ادبی حد بندیاں قائم کر کے ادب کے ساتھ جبری بے ادبی شروع کر رکھی ہے۔ منورؔ رانا ان حد بندیوں سے ماورا ہیں۔

میر جی جس کے سبب بیمار ہوئے اُسی عطّار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں تو ہمارے حکیمانہ نظر رکھنے والے اہلِ نظر اس کو بھی سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں بھلے ہی اس قامتِ پُر پیچ وخم کا پیچ وخم نکلے مگر منور رانا کی طرف ایک نگاہِ طائرانہ ڈالنے کے روادار نہیں وہ کہتے ہیں:

سو جاتے ہیں فٹ پاتھ پہ اخبار بچھا کر
مزدور کبھی نیند کی گولی نہیں کھاتے
فرشتے آ کے ان کے جسم پر خوشبو لگاتے ہیں
وہ بچے ریل کے ڈبے میں جو جھاڑو لگاتے ہیں
محبت کو زبردستی تو لادا جا نہیں سکتا
کہیں کھڑکی سے میری جان الماری نکلتی ہے
ہم تو اک اخبار سے کاٹی ہوئی تصویر ہیں
جن کو کاغذ چننے والے کل اٹھالے جائیں گے

اگر اپنے دور کے محاورے میں اپنے دور کی عکاسی اپنے قلم سے کرنے کا نام فن کاری ہے تو منور رانا کی ہنروری میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں۔ انھوں نے آگے پیچھے دائیں بائیں ہونے والے تجربات و مشاہدات کو شعری زبان و پیرایۂ سخن دیا ہے اور یہ لہجہ اتنا مقبول بھی ہوا کہ ہم عصروں اور نو واردوں کے ساتھ ساتھ:

بڑے بڑوں کو بگاڑا ہے ہم نے اے رانا
ہمارے لہجے میں استاد شعر کہنے لگے

ایسا بھی نہیں کہ منور رانا صرف عوام کے جذبات سے کھیلتے ہیں بلکہ وہ تو معاشرے کی سچائیوں کو شعری پیکر عطا کرتے ہیں۔ اب یہی دیکھیے نا ایک شعر کیسے ایک پوری کہانی کی بنیاد بنتا ہے:

میری گڑیا سی بہن کو خودکشی کرنی پڑی
کیا خبر تھی دوست میرا اس قدر گر جائے گا

منور رانا قافیے کے امکانات چمکانے کے چکر میں فراق گورکھپوری کی طرح ترسٹھ ترسٹھ شعر کی سہ غزلہ کہہ کر قارئین یا سامعین کا صبر نہیں آزماتے۔ ان کا جادو چار چھے شعروں ہی میں سر چڑھ کر بولنے لگتا اور سننے والوں کو اپنے اثر میں لے لیتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی انھوں نے قافیہ و ردیف پر دسترس کا اظہار بھی کیا ہے۔ جس طرح غالب نے چکنی ڈلی کو عزت بخشی تھی:

ہاتھوں میں اک ریموٹ کی صورت ہوں ان دنوں
میں جھگیوں کے ووٹ کی صورت ہوں ان دنوں
منہ کا مزہ بدلنے کو سنتے ہیں وہ غزل
ٹیبل پہ دال موٹ کی صورت ہوں ان دنوں
ہر شخص دیکھنے لگا شک کی نگاہ سے
میں پانچ سو کے نوٹ کی صورت ہوں ان دنوں
موسم بھی اب اڑانے لگا ہے مری ہنسی
اتنے پرانے کوٹ کی صورت ہوں ان دنوں

گویا منور رانا لفظوں سے کھیلنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ ظاہر ہے شعر اسی ہنر سے عبارت ہے:

تری رضا کی ضرورت ہے اب مرے مولیٰ
مجھے کفیل نہیں خود کفیل ہونا ہے

ویسے ’مرضیِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ‘ اسے ملکِ سخن میں اقامہ بھی دلا سکتی ہے۔ منور رانا بڑی سادگی سے کہتے ہیں:

سبق اک عمر تک سارے کے سارے یاد رہتے ہیں
اس کے بعد گنتی اور پہاڑے یاد رہتے ہیں

مگر کاری گرانِ حرف و صوت سنگلاخ زمینوں میں شہداب کی جستجو میں عمریں کاٹ دیتے ہیں:

خیر یاروں نے پہاڑوں پہ پہاڑے لکھے
چاہتے کیا ہیں، کبھی شعر و ادب سے نہ کھُلا

منور رانا کے پسندیدہ موضوعات وہی ہیں جن کا عام انسان کی سیاسی، معاشی و معاشرتی زندگی تقاضا کرتی ہے:

محبت کرنے والوں میں یہ جھگڑا ڈال دیتی ہے
سیاست دوستی کی جڑ میں مٹّھا ڈال دیتی ہے
وزارت کے لیے ہم دوستوں کا ساتھ مت چھوڑو
ادھر اقبال آتا ہے ادھر اقبال جاتا ہے

منور رانا کے اندر چھپا ہوا معصوم بچہ ماں کا پلّو چھوڑنا کبھی نہیں چاہتا ہر چند اس کے راستے میں کھلونوں کی دکان بھی آتی ہے۔ پس و پیش کا عالم تو دیکھیے:

کھلونے کی طرف بچے کو ماں جانے نہیں دیتی
مگر آگے کھلونے کی دکاں جانے نہیں دیتی

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

معاون اردو مترجمین کی تقرری کے لیے ضمنی فہرست جاری کرنے کا مطالبہ

پٹنہ (26 دسمبر)۔ جنتادل یونائیٹڈ کے سرکردہ رہنما اور رکن بہار قانون ساز کونسل پروفیسر غلام غوث سے آج ان کی سرکاری رہائش گاہ پر معاون اردو مترجمین کے امیدواروں کے ایک وفد نے ملاقات کی اور انھیں ایک میمورنڈم سونپا جس میں ان امیدواروں نے معاون اردو مترجمین کی بحالی کے مرحلے میں ضمنی فہرست جاری کرنے کا ریاستی حکومت سے پُرزور مطالبہ کیا۔ پروفیسر غلام غوث نے وفد کی باتوں کو غور سے سنا اور اس معاملے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے اس کے حل کے لیے اپنی جانب سے ہر ممکن ضروری اور موثر اقدام کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ وفد میں محمد انظار عالم اور محمد انعام اللہ سمیت درجنوں امیدوار شامل تھے۔ وفد نے پروفیسر غوث کو بتایا کہ وزیرِ اعلا نتیش کمار نے بہار میں دوسری سرکاری زبان اردو کو اس کا جائز حق دینے اور اسے بڑے پیمانے پر فروغ دینے کے مقصد سے پانچ سال قبل بڑی تعداد میں اردو عملے بحال کرنے کا فیصلہ واعلان کیا تھا، جسے عملی شکل دیتے ہوئے انھوں نے اپنی کابینہ سے اردو عملے کے 1764 عہدے وضع کرنے کی تجویز کو منظوری دی تھی، جن میں معاونین اور اردو مترجمین وغیرہ کے تقریباً 200 عہدوں پر فوری طور پر بحالی بھی کرلی تھی مگر معاون اردو مترجمین کے لیے 1294 عہدے وضع کیے گئے تھے جن پر بحالی کے لیے پانچ سال قبل اشتہار شائع کیا گیا تھا، لیکن تین سال کی طویل مدت میں امتحان، رزلٹ اور کونسلنگ کا مرحلہ 2022 تک مکمل کیا گیا مگر بحالی میں پھر سے تاخیر کردی گئی جس کے سبب بڑی تعداد میں کامیاب امیدوار بھی دوسری نوکریوں اور روزگار سے منسلک ہوگئے اور سیکڑوں کی تعداد میں معاون اردو مترجمین کے عہدے خالی رہ گئے۔ امیدواروں کے وفد نے پروفیسر غوث کو بتایا کہ ابھی تقریباً ایک ماہ قبل بہار اسٹاف سلیکشن کمیشن نے معاون اردو مترجمین کے عہدوں پر بحالی کے لیے حتمی طور پر رزلٹ جاری کیا ہے جس میں 1076 امیدواروں کو تقرر کے لیے اہل قرار دیا گیا اور انھیں کونسلنگ کے لیے طلب کیا گیا۔ 23 دسمبر 2024 کو قطعی طور پر کونسلنگ کا مرحلہ بھی مکمل کرلیا گیا مگر معتبر ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ بڑی تعداد میں کامیاب امیدوار بھی اپنی تعلیمی اسناد کی جانچ نہیں کراسکے ہیں کیوں کہ پانچ سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے سبب بہت سارے امیدوار تھک ہار کر دوسرے شعبوں سے منسلک ہوگئے۔ کچھ امیدوار تو اساتذہ کے طور پر بحال ہوگئے اور آخر کار معاون اردو مترجمین کے بے شمار عہدے خالی رہ گئے ہیں، اس لیے ریاستی حکومت کو ہمدردانہ طور پر دوسری اور ضمنی فہرست جاری کرنی چاہیے تاکہ تشکیل شدہ 1294 میں سے قطعی طور پر اہل قرار دیے گئے 1076 عہدوں پر بحالی یقینی ہوجائے جس سے ریاست کے سرکاری محکموں اور شعبوں اور دفاتر میں دوسری سرکاری زبان اردو کے فروغ کو یقینی بنایا جاسکے اور تشکیل شدہ عہدے بھی پُر ہوجائیں۔ رکن بہار قانون ساز کونسل پروفیسر غلام غوث نے وفد کی باتوں کو سننے کے بعد انھیں مثبت یقین دہانی کرائی کہ وہ اس مسئلے کو ریاستی حکومت تک ضرور پہنچائیں گے اور ان کے موقف و مطالبے سے حکومت اور متعلقہ محکمہ وکمیشن کو تفصیلی طور پر واقف کرائیں گے۔ پروفیسر غوث نے کہا کہ ضرورت پڑی تو اس معاملے کو وہ وزیر اعلا نتیش کمار کے سامنے بھی پیش کریں گے اور ان سے ملاقات کرکے گزارش بھی کریں گے کہ وہ اردو کے فروغ کے اپنے بلند عزائم کی تکمیل کی سمت میں موثر اقدام کریں۔ وفد نے رزلٹ اور اعداد وشمار کے حوالے سے پروفیسر غوث کو بتایا کہ کئی امیدوار ایسے ہیں جنھیں 135 نمبر حاصل ہوا ہے اور میرٹ کا نمبر 136 ہے، یعنی صرف ایک نمبر سے ناکام ہوئے ہیں۔ کئی امیدوار تو ایسے بھی ہیں جنھیں 141 نمبر ملا ہے اور میرٹ کا نمبر بھی 141 ہے مگر 141 نمبر حاصل کرنے والے دوسرے امیدوار کو ان کی زیادہ عمر ہونے کے سبب بحالی کا پروانہ دیا گیا جو فطری بات ہے مگر جب بڑی تعداد میں تشکیل شدہ اور منظور شدہ عہدے خالی رہ جائیں گے تو ایسی صورت میں ضمنی رزلٹ اور فہرست کا ضابطہ ہے جسے معاون اردو مترجمین کی تقرری میں بھی نافذ العمل بنایا جانا چاہیے۔ پروفیسر غوث نے وفد کے ان دلائل اور موقف سے اتفاق ظاہر کیا اور کہا کہ وہ اس معاملے کو پوری سنجیدگی سے لیں گے۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

ٹیلنٹ ٹسٹ میں اردو میڈیم طلبہ سے امتیاز

حیدرآباد (18 دسمبر)۔ صدر نشیں تلنگانہ اقلیتی کمیشن جناب طارق انصاری نے میتھس ٹیلنٹ ٹسٹ میں اردو کو نظر انداز کرنے پر ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر نرمل سے رپورٹ طلب کرلی۔ ڈسٹرکٹ پریسیڈنٹ میوا اور ٹی ایس پی ٹی اے کے علاوہ ڈاکٹر ساجد معراج (جنرل سکریٹری ٹی ایس پی ٹی اے) سے صدر نشیں کمیشن کو نمائندگی موصول ہوئی جس میں کہا گیا کہ میتھس فورم نے نرمل ضلع میں تلگو، اردو اور انگریزی میڈیم کے طلبہ کے لیے خاص طور پر میتھس ٹیلنٹ ٹسٹ منعقد کرنے کے لیے ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر (ڈی ای او) کی جانب سے جاری کردہ پروسیڈنگس کے برعکس لسانی بنیادوں پر اردو میڈیم کے طلبہ سے امتیاز کا رویہ رکھا۔ میتھس فورم نے جان بوجھ کر اردو میڈیم کے طلبہ کو اس امتحان سے محروم رکھتے ہوئے واضح طور پر لسانی جانبداری اور امتیاز کا رویہ اختیار کیا۔ اس امتیازی حرکت کے ذمے دار افراد کے خلاف فوری کارروائی کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے درخواست گزاروں کی جانب سے ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر اور ضلع کلکٹر کے علم میں بھی اس بات کو لایا گیا۔ تلنگانہ اقلیتی کمیشن نے اس ناانصافی اور امتیاز کا نوٹ لیتے ہوئے ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر، صدر وسکریٹری پی ایم ایف، ڈائرکٹر ایس سی ای آر ٹی اور ضلع کلکٹر سے رپورٹ طلب کرلی۔ انھوں نے مزید ضروری کارروائی کے لیے 2 جنوری سے پہلے رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت دی ہے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

منڈل سطح پر اردو صحافیوں کو ایکریڈیشن کارڈس کی اجرائی کا مطالبہ

نارائن پیٹ (28 نومبر)۔ منڈل سطح پر اردو صحافیوں کو ایکریڈیشن کارڈ کی اجرائی اور ضلع ایکریڈیشن کمیٹیوں میں یونین کے نمائندے کو شامل کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے تلنگانہ اردو ورکنگ جرنلسٹ یونین نارائن پیٹ کے نمائندہ وفد نے ضلع کلکٹر نارائن پیٹ سکیتا پٹنائک سے ملاقات کرتے ہوئے انھیں ایک تحریری یادداشت حوالے کی۔ اس موقعے پر وفد نے ضلع کلکٹر کو بتایا کہ سابق کی طرح منڈل سطح پر اردو صحافیوں کو ایکریڈیشن کارڈ فراہم کیے جائیں جب کہ یونین کی جانب سے جی او 239 میں ترمیم کے لیے ہائی کورٹ سے کامیاب نمائندگی کی گئی۔ اس موقعے پر وفد میں سینئر صحافی عثمان عبیداللہ مجاہد صدیقی (نمائندہ 'سیاست')، ارشد فیصل (نمائندہ 'راشٹریہ سہارا')، محمد ظہیرالدین صوفی (نمائندہ 'منصف')، عبدالرحیم (نمائندہ منصف ٹی وی)، جناب محمد حسین مڑکی (نمائندہ 'رہنمائے دکن')، حافظ محمد تقی (نمائندہ 'اعتماد')، محمد نواز تاج (نمائندہ 'منصف ٹی وی')، رحمت اللہ قریشی، عبدالرحیم اور محمد سلیمان ودیگر موجود تھے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

جو اپنی مادری زبان بھول گیا وہ گویا مر چکا ہے

ڈاکٹر شمس اقبال

قومی اردو کونسل کے زیرِ اہتمام 'ہندستان کے لسانی تنوع میں مادری زبان کی اہمیت' پر مذاکرہ

نئی دہلی (پریس ریلیز، 11 دسمبر)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے زیرِ اہتمام انڈیا انٹرنیشنل سنٹر، نئی دہلی میں مشہور تمل شاعر، مصنف، صحافی اور مجاہدِ آزادی سبرامنیا بھارتی کے یومِ پیدائش کے موقعے پر بھارتیہ بھاشا اُتسو کی مناسبت سے 'ہندستان کے لسانی تنوع میں مادری زبان کی اہمیت' پر مذاکرے کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقعے پر خیر مقدمی کلمات پیش کرتے ہوئے قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ جو اپنی مادری زبان بھول گیا وہ گویا مر چکا ہے۔ مادری زبان ہمیں اپنی تہذیب وتاریخ اور افکار واقدار سے جوڑے رکھتی ہے۔ انھوں نے اس موقعے پر مہاکوی سبرامنیا بھارتی اور بھارتیہ بھاشا اُتسو کے حوالے سے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ سبرامنیا بھارتی ہندستانی تہذیب وثقافت کی ایک روشن علامت تھے اور انھوں نے تمل زبان کو بہت سے شاہکار دیے جن میں 'بھگوت گیتا' کا تمل ترجمہ بھی شامل ہے۔ بیشتر مقررین نے اس خیال کا اظہار کیا کہ آج کی کثیر لسانی دنیا میں بھی اپنے تہذیبی وثقافتی اقدار کے تحفظ اور زمینی جڑوں سے وابستگی کے لیے مادری زبان ضروری ہے۔ صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر انیس الرحمٰن نے کہا کہ زبانیں مرتی نہیں بلکہ تبدیل ہوجاتی ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ مادری زبان کی بہت سی سطحیں ہوتی ہیں اور زبان کا تعلق تجربے سے بھی ہے۔ پروفیسر دھنجے سنگھ نے کہا کہ مادری زبان ہم سیکھتے نہیں اس زبان میں ہم پلتے ہیں۔ کچھ زبانیں ہوتی ہیں جن کو بنا بولے بول لیتے ہیں اور سن لیتے ہیں۔ پروفیسر روی پرکاش ٹیک چندانی نے کہا کہ ہمیں تمام بھاشاؤں کی کھڑکیاں کھولنی چاہئیں اور ان کا آنند لینا چاہیے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اسیم بھاشا کا کوئی چھیتر نہیں ہوتا، کوئی علاقہ نہیں ہوتا اور اسیم زبانیں ہی زندہ رہتی ہیں۔ پروفیسر خالد جاوید نے کہا کہ مادری زبان روح کی زبان ہوتی ہے، اگر ایک ہی زبان ہوتی تو سارا حسن ختم ہوجاتا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ تخلیقی زبان جو کہتی نہیں وہ بھی ڈسپلے کردیتی ہے اور یہ مادری زبان ہی ہے جس میں ہم خواب دیکھتے ہیں۔ پروفیسر اخلاق احمد آہن نے ہندستانی زبانوں کے حوالے سے کہا کہ بیشتر زبانیں بولیوں سے زبان کی سطح پر آئی ہیں اور کچھ زبانیں برطانوی استعماریت کا شکار بھی ہوئی ہیں۔ اس موقعے پر تمام مہمانان کا گلدستے سے استقبال کیا گیا۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر عبدالباری نے کی۔ اس مذاکرے میں کونسل کے عملے کے علاوہ دہلی کی معزز شخصیات نے بھی شرکت کی۔

سیر المنازل
(مرزا سنگین بیگ)
شریف حسین قاسمی
قیمت: 600 روپے

محرابِ تمنا
فطرت انصاری
قیمت: 200 روپے

اردو اکیڈمی دہلی کے سالانہ اوارڈ کا اعلان

’کل ہند بہادر شاہ ظفر اوارڈ‘ پروفیسر افتخار عالم خاں، ’کُل ہند اوارڈ برائے فروغِ اردو زبان‘ جاوید اختر اور ’پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی اوارڈ‘ پروفیسر خالد محمود کو دیا جائے گا

نئی دہلی (2 جنوری)۔ اردو اکیڈمی دہلی کے چیئرمین اور دہلی حکومت کے وزیر برائے فن و ثقافت جناب سوربھ بھاردواج نے اکیڈمی کی اوارڈ و کلچرل پروگرام سب کمیٹی کی تجاویز اور ایگزیکٹو کمیٹی کے فیصلوں کی توثیق کرتے ہوئے سالانہ اوارڈز برائے 24-2023 کے اعلان کی منظوری دے دی ہے۔ اس میں کُل ہند بہادر شاہ ظفر اوارڈ، ممتاز ادیب اور ماہرِ سرسیّد پروفیسر افتخار عالم خاں (علی گڑھ) کو دیا جائے گا۔ ’کل ہند اوارڈ برائے فروغِ اردو زبان‘ مشہور نغمہ نگار جاوید اختر (ممبئی) کے نام کیا گیا ہے اور ’پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی اوارڈ‘ ممتاز ادیب، ناقد، شاعر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اردو کے سابق صدر پروفیسر خالد محمود کو دیا جائے گا۔ یہ تینوں اوارڈ پانچ لاکھ روپے نقد، سند، شال اور مومنٹو پر مشتمل ہیں۔ ان کے علاوہ ’اوارڈ برائے تحقیق و تنقید‘ پروفیسر احمد محفوظ، ’اوارڈ برائے تخلیقی نثر‘ رخشندہ روحی، ’اوارڈ برائے شاعری‘ سلیم شیرازی، ’اوارڈ برائے بچوں کا ادب‘ طٰہٰ نسیم، ’اوارڈ برائے ڈراما‘ انیس اعظمی اور ’کل ہند اوارڈ برائے سائنس‘ عابد معز (حیدرآباد) کو دیے جائیں گے۔ یہ تمام اوارڈز دو لاکھ روپے نقد، شال، سند اور مومنٹو پر مشتمل ہیں۔ (انقلاب۔دہلی)

یونی ورسٹیوں میں تقرری کے لیے حکومتِ تلنگانہ کی کالج سروس کمیشن تشکیل دینے کی تیاری

تین ہزار سے زیادہ اسامیاں خالی

حیدرآباد (29 نومبر)۔ تلنگانہ حکومت نے کامن ریکروٹمنٹ بورڈ کی جگہ کالج سروس کمیشن کے قیام تک یونی ورسٹیوں میں تقرری نہ کرنے کا اصولی طور پر فیصلہ کیا ہے۔ کمیشن کی تشکیل کے لیے تجاویز تیار کرلی گئی ہیں۔ امکان ہے کہ حکومت بہت جلد اس معاملے میں فیصلہ کرے گی۔ کمیشن کے طریقۂ کار پر تاحال کوئی وضاحت نہیں ہوئی ہے۔ کالج سروس کمیشن نیا نہیں ہے۔ متحدہ ریاست میں 1985 میں اس کو قائم کیا گیا تھا۔ یونی ورسٹیوں کے وائس چانسلرس، محکمۂ اعلا تعلیم کے ماہرین پر مشتمل اس کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کمیشن نے سال 2000 تک خدمات انجام دیں۔ تب یہ کمیشن انٹر، ڈگری کالجوں میں لکچررس کے تقرر کرنے تک محدود تھا، بعدازاں اس کو پبلک سروس کمیشن میں ضم کردیا گیا۔ یونی ورسٹیوں میں تدریسی، غیر تدریسی عملے کی تقرری متعلقہ یونی ورسٹیوں کے وائس چانسلرس کی نگرانی میں انجام دی گئی۔ سال 2014 تا 2022 کے درمیان یونی ورسٹیوں میں کوئی تقرری نہیں ہوئی جس کی وجہ سے یونی ورسٹی میں بڑے پیمانے پر اسامیاں خالی ہیں۔ یونی ورسٹیوں میں تقرری کے لیے دباو بڑھنے کے بعد 12 ستمبر 2022 کو کامن ریکروٹمنٹ بورڈ تشکیل دیا گیا۔ حکومت نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ یونی ورسٹی سطح پر تقرری کرنے پر بے قاعدگیاں ہونے کی گنجائش ہے، اس لیے تمام یونی ورسٹیوں پر مشتمل بورڈ تشکیل دیا گیا ہے۔ بورڈ کی تشکیل کے بعد سے یونی ورسٹیوں میں کوئی تقرری نہیں کی گئی، جس کی وجہ سے یونی ورسٹیوں میں تدریسی و غیر تدریسی تین ہزار سے زائد اسامیاں خالی ہیں۔ ریاست میں کانگریس کی حکومت تشکیل پانے کے بعد یونی ورسٹیوں میں خالی اسامیوں پر تقرری کرنے کی تیاری کی جارہی ہے۔ (سیاست۔حیدرآباد)

ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد قومی میکش ایوارڈ سے سرفراز

’علامہ اقبال اور تصوف‘ کے موضوع پر سمینار منعقد

آگرہ (16 دسمبر)۔ بزمِ میکش کے تحت ’یادِ میکش‘ پروگرام کے موقعے پر ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد کو قومی میکش ایوارڈ سے نوازا گیا۔ آگرہ کی مشہور ادبی تنظیم بزمِ میکش، جس کی شہرت پورے ملک میں ہے اور جو اردو کے کئی مشہور ادیبوں کو اعزازات پیش کرچکی ہے، نے اردو زبان و ادب کی نمایاں خدمات کے اعتراف میں ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد کو اردو زبان اور ادب کی ترقی اور فروغ کے لیے ان کی خدمات پر صوفی شاعر علامہ میکش اکبرآبادی کی یاد میں قائم کردہ 2024 کا 29 واں قومی علامہ میکش ایوارڈ پیش کیا۔ یہ شاندار تقریب ہوٹل گرانٹ میں منعقد ہوئی، جس میں تنظیم کے سرپرست حضرت سید اجمل علی شاہ قادری نیازی نے ڈاکٹر خواجہ افتخار کو شال اور ٹرافی پیش کی، جب کہ سیّد فیض علی شاہ نے سپاس نامہ پیش کیا۔ تقریب کے دوران تنظیم کی جنرل سکریٹری پروفیسر نسرین بیگم نے تنظیم کی رپورٹ پیش کی اور ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد کا تعارف کرایا۔ اس موقعے پر ایک سمینار بھی منعقد ہوا، جس کا موضوع تھا ’علامہ اقبال اور تصوف‘۔

ڈاکٹر عبدالباری اور ڈاکٹر حقانی القاسمی نے اپنے تحقیقی مقالے پیش کیے۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی پروفیسر قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی (سابق صدر شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) تھے۔

وہیں اردو میں اعلا نمبر حاصل کرنے والے طلبہ کو اس موقعے پر اسناد سے نوازا گیا، ان میں ایم اے میں: انعم، نشا، نغمہ (سینٹ جانس کالج)، بی اے میں: نفیس الدین، فرحین، اور اتل کمار کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

تقریب میں ڈاکٹر نسرین بیگم کی کتاب ’جوش ملیح آبادی: تنقیدی جائزہ‘ کا اجرا بھی عمل میں آیا۔

اس موقعے پر خاور ہاشمی اور اظہر عمری کو اردو صحافت میں نمایاں خدمات کے لیے اسناد اور یادگاری شیلڈز پیش کی گئیں۔ اسد تمنا کو بھی اردو خدمات پر ایوارڈ سے نوازا گیا۔

تقریب میں شرکت کرنے والوں میں شاہد ندیم، حاجی الطاف حسین، سید شمیم احمد شاہ، سید شفق علی، ڈاکٹر مدھریما شرما، انل شرما اور ڈاکٹر نعیمہ پاشا کے علاوہ مشہور ادبی و سماجی شخصیات شامل تھیں۔

’انشائیہ نگار خواتین آزادی کے بعد‘ کی رسمِ رونمائی

حیدرآباد (18 دسمبر)۔ انشائیہ مغرب سے درآمد شدہ ایک غیر افسانوی صنف ہے جس نے اردو ادب میں بہت کم وقت میں ارتقا کے قابلِ تحسین مراحل طے کرلیے ہیں۔ ہمارے ہاں طنزیہ و مزاحیہ مضامین کو انشائیہ سمجھ لینے کے رجحان نے اس صنف کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ وزیر آغا کی رہنمائی میں اسے پرسنل ایسّے کے طرز پر اردو میں راسخ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ آج ہماری جامعات میں اس ضمن میں جو تحقیقی کام ہو رہا ہے اس سے انشائیے کی بنیادی خصوصیات کو برقرار رکھنے میں کافی مدد ملے گی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر تبسم آرا کے تحقیقی مقالے پر مبنی تصنیف ’انشائیہ نگار خواتین آزادی کے بعد‘ ایک اہم کتاب ہے۔ اس میں انشائیے کے فنی ارتقا اور اہم خواتین تخلیق کاروں کے بارے میں بھرپور معلومات جمع کر دی گئی ہے۔‘ ان خیالات کا اظہار مہمانِ خصوصی معروف انشائیہ نگار محمد اسد اللہ نے ڈاکٹر تبسم آرا کی تصنیف کے اجرا کے موقعے پر کیا۔

تلنگانہ اسٹیٹ اردو اکیڈمی، حیدرآباد کے خواجہ شوق ہال میں منعقدہ اس تقریب کی صدارت کے فرائض پروفیسر اشرف رفیع (سابق صدرِ شعبۂ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی) نے انجام دیے۔ محترمہ سمیہ تمکین نے ’انشائیہ نگار خواتین آزادی کے بعد‘ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس کتاب کے مختلف ابواب میں پیش کی گئی معلومات کو انشائیہ نگاری کے سلسلے میں اہم تحقیق سے تعبیر کیا۔ پروفیسر اشرف رفیع کے ہاتھوں ’انشائیہ نگار خواتین آزادی کے بعد‘ کی رسمِ رونمائی انجام دی گی۔ اس موقعے پر اپنے صدارتی خطبے میں انھوں نے کہا کہ انشائیہ ایک ایسی ادبی صنف ہے جس میں ہلکے پھلکے اور بے تکلف انداز میں اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ انشائیے میں ذاتی خیالات اور تاثرات اہم ہیں اور ان کے اظہار کی آزادی ہے، خواتین اپنے تجسس، اظہار کی صلاحیت اور سلیقے کے سبب اس صنف کو بہتر طور پر پروان چڑھا سکتی ہیں۔ ان کے لیے یہ صنف ادبی اظہار کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔ ہمارے ادب میں خواتین نے قابلِ ذکر ادبی کارنامے انجام دیے ہیں۔ انھوں نے ڈاکٹر تبسم آرا کو ان کی اس دوسری تصنیف کی اجرا پر مبارک باد پیش کی۔

ڈاکٹر تبسم آرا نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے اس مقالے کی تحقیق و اشاعت کے دوران تعاون کرنے والی شخصیات کا بھی شکریہ ادا کیا۔ نظامت کے فرائض لکچرر ڈاکٹر غوثیہ بانو نے انجام دیے۔ اس تقریبِ اجرا میں شہر کی اہم ادبی شخصیات اور خواتین کثیر تعداد میں شریک تھیں۔

☆☆☆

رفتید ولے نہ از دلِ ما

تسنیم سہسرامی

اردو کے معروف بزرگ شاعر حضرت تسنیم سہسرامی کا 29 دسمبر 2024 کو سہسرام میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 92 برس تھی۔ 30 دسمبر کو سہسرام میں مسجد چندن شہید کے قریب پہاڑ کے دامن یعنی درگاہ تلے انھیں سپردِ خاک کردیا گیا۔ ان کی نمازِ جنازہ آفتاب عالم ندوی (سربراہِ اعلا دارالعلوم فرقانیہ) نے پڑھائی جس میں شہر و بیرونِ شہر کے ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں نے شرکت کی۔ تسنیم سہسرامی کا اصل نام مولانا محمد الیاس ہے، لیکن وہ دنیائے شعروادب میں تسنیم سہسرامی کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ 15 جولائی 1933 کو سہسرام میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ انھیں ادبی ذوق وراثت میں ملا تھا۔ ان کے دادا حضرت مولوی محمد اکبر علی باوقار شخصیت کے مالک تھے جن کے گھر پر اکثر علمی و ادبی مجلس و مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے۔ ان کی محبت و شفقت کی وجہ سے تسنیم سہسرامی دورانِ طالبِ علمی میں ہی شعرگوئی کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ 1957 میں وہ پٹنہ کے قریب پھلواری شریف ہائی اسکول میں مدرس ہوگئے۔ 31 جولائی 1993 کو وہ پھلواری شریف ہائی اسکول سے بہ حیثیت ہیڈ ماسٹر ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ انھوں نے پوری زندگی علمی، سماجی اور رفاہی کاموں میں اپنے کو مشغول رکھا۔

ادارہ ’ہماری زبان‘ مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

کتابیاتِ حالی

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

قیمت: 300 روپے

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب	:	**اعتبارِ سخن**
مصنف	:	سائرہ عظیم
ضخامت	:	192 صفحات
قیمت	:	180 روپے
اشاعت	:	2024
ملنے کا پتا	:	چیمبر 694، پٹیالہ ہاؤس کورٹ، نئی دہلی-110001
تبصرہ نگار	:	راشد جمال فاروقی

زیرِ تبصرہ 'اعتبارِ سخن' نئی نسل کی خوش فکر شاعرہ سائرہ عظیم کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ اس شعری مجموعے کا انتساب انھوں نے اردو کی ممتاز افسانہ نگارش. بانو ادیب (شکیلہ نیّر) اور کہنہ مشق شاعر علامہ نیّر قریشی گنگوہی کی یاد میں کیا ہے۔

'گلستانِ ادب' میں انھوں نے 'حرفِ آغاز' میں دل کا اظہار کیا ہے۔ غزلوں کے علاوہ حمد پاک اور نعتِ پاک سے اس مجموعے کی شروعات ہوتی ہے۔ منظومات میں منشی پریم چند، مرحوم نیّر قریشی گنگوہی کی یاد میں، ش. بانو ادیب کی نذر، فیاض احمد کی رحلت پر اور نذرِ خیر النساء کو شامل کیا گیا ہے۔ سب سے آخر میں 'مشاہیرِ ادب سچ ہی کہیں گے' کے تحت سائرہ عظیم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ان کے ناقدین واقف ہیں کہ ان کی شاعری میں غزل کا رنگ و آہنگ بھی پایا جاتا ہے۔ ان کی نظموں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں تنوع بہت زیادہ ہے۔ لمحہ لمحہ بدلتی زندگی، حیات و ممات کے فلسفے، گھریلو زندگی اور عصری ماحول کے مسائل اس میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ انھوں نے باضابطہ کسی استاد سے اپنے کلام پہ نہ اصلاح لی اور نہ کسی شاعر کی رہ نمائی حاصل کی حالاں کہ وہ اہلِ نظر کی بصیرت اور استادِ فن حضرات کی عظمت کی منکر نہیں ہیں بلکہ خود سے کچھ کرنے کے جذبے سے وہ اساتذہ کی قربت سے دور رہیں۔

یوسف خان (دلیپ کمار) سائرہ عظیم کی شاعری کے بارے میں اس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں:

"مجھے سائرہ عظیم کی غزلیں پسند آئیں۔ وہ عصری زندگی اور روزمرّہ کے مسائل کی ترجمانی فنکاری کے ساتھ کرتی ہیں۔ سائرہ عظیم کی شاعری روشن امکانات کی حامل ہے۔ یہ اپنے شعروں کی تازگی اور خوشبو کی وجہ سے بالخصوص نئے ذہنوں کو خاصا متاثر کرتی ہیں۔ اگر موصوفہ اپنے اس تخلیقی سفر کو جاری رکھیں گی تو اپنی شعری فضا کو شادابی بخشیں گی۔ ان کے احساس کی ندرت اور لفظیات کے نئے ڈھانچے کو مزید تازہ کار اور تابندہ ہونے کا موقع مل سکے گا۔"

اسی طرح شمس الرحمٰن فاروقی سائرہ عظیم کے اشعار کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

"سائرہ عظیم کی آواز نئی ہے۔ ان کے یہاں بالکل تازہ رنگ کے اشعار دیکھنے کو ملتے ہیں۔ وہ آسان لب و لہجے میں بات اس طرح کرتی ہیں کہ اُن کی بات اُن کے قاری کے دل میں اتر جاتی ہے۔ اُن کی شاعری میں جدتِ فکر بھی ہے اور جمالیاتی تنوّع بھی۔ موضوعات کے اعتبار سے اُن کا کلام دعوتِ فکر دیتا ہے۔ میں اُن کے روشن مستقبل کے لیے دعا گو ہوں۔"

ان حضرات کے علاوہ قابلِ ذکر آرا لکھنے والوں میں عرفان صدیقی، ڈاکٹر راحت اندوری، عشرت ظفر، وقار مانوی، پروفیسر عتیق اللہ، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر شہپر رسول، سلیم انصاری، احسن امام احسن، اشرف یعقوبی اور عمران عظیم کے نام شامل ہیں۔

سائرہ عظیم کی شاعری ذاتی کرب، اضطراب، مشاہدات، محسوسات و احساسات اور ان کے حمدیہ، نعتیہ اور دیگر افکار کی بھرپور ترجمانی کرتی ہے۔ بطورِ ثبوت ان کے اشعار ملاحظہ فرمائیں:

دیکھ بھال کرتا ہے اپنے سارے بندوں کی
سب کا وہ سہارا ہے ساری مدحتیں اس کی
سارے بندے ناداں ہیں فکرِ دیں نہیں رکھتے
فکر و آگہی اُس کی ساری حکمتیں اُس کی

دنیا کا نگینہ ہے
وہ شہر مدینہ ہے
وہ دن بھی دکھا آقا
کوثر کو بھی پینا ہے

پانی کی روانی کا ہے احساس ہمیں بھی
ہر حال میں دریا کو اترنا بھی وہیں ہے
پھر سے کی تھی سفر کی تیاری
پھر کسی ہم نئی اُڑان میں تھے
یہ الگ بات کہ دفتر سے نہیں آیا وہ
سائرہ دیر تلک کام بھی ہوسکتا ہے
ابھی بھی زندہ ہیں زندہ دل ہی
جو لوگ بزدل تھے مر گئے ہیں

حالاتِ حاضرہ سے وہ پوری طرح باخبر ہیں جس کا اظہار بالکل سہل، سلیس اور عام فہم الفاظ میں کرتی ہیں:

کوئی شرم و حیا باقی نہیں اب
ان آنکھوں میں تو پانی بھی نہیں اب
مرے کانوں میں گونجی ہیں صدائیں کس کی آخر
گراں مجھ پر سماعت ہے دعا میں یاد رکھنا
کوئی چراغ جلاتے تو اپنے دم سے ہی
یہ کیسا طرز تمھارا جو معتبر نہ لگے
کروں کس طرح سے یہاں وہ نظارا
خیالوں میں خوابوں میں کشمیر دیکھوں

سائرہ عظیم نے اپنی شاعری میں شعری روایت اور جدید معاملات کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرے میں زندگی سے مایوس انسانوں کے لبوں پر مسرت بکھیرنے کا کام کیا ہے جو اس عہد میں کسی غیر معمولی شاعرہ کے بس کی ہی بات ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد روح مسرور ہو جاتی ہے۔ ذہن و دل سرشاری میں ڈوب جاتے ہیں۔

سائرہ عظیم کے شعری مجموعے 'اعتبارِ سخن' میں شامل شاعری کے مطالعے سے یہ امر نمایاں ہے کہ وہ ایک بے حد حساس اور نرم دل شخصیت کی مالکہ ہیں۔ آج کے مسائل اور کرب والم سے رنجیدہ ہوکر اپنے دلی جذبات کا اظہار شعری قالب میں پروکر صفحۂ قرطاس پر کچھ اس طرح نقش کرتی ہیں کہ ہر عام و خاص کے دل میں آسانی سے اتر جائے۔ مجھے یقینِ کامل ہے کہ شعری مجموعہ 'اعتبارِ سخن' کو علمی و ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

☆☆☆

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میری خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میرا جی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ و آثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-

بقیہ: بے ہجرتی کے دکھ کا شناس نامۂ معکوس ’مہاجرنامہ‘

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

چشمِ منور نے اندھیروں کا جگر کاٹ کر رکھ دیا ہے وہ نہ صرف سماجی محل سراؤں کی روداد بیان کرتی ہے بلکہ سیاسی خواجہ سراؤں کو بھی آئینہ دکھاتی ہے۔

منور رانا نے یقیناً بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ ماں کے پلّو پر نمازِ عقیدت ادا کی ہے:

میں جب تک گھر نہ لوٹوں میری ماں سجدے میں رہتی ہے
ع ماں بہت غصے میں ہوتی ہے تو رو دیتی ہے
ع بس ایک ماں ہے جو مجھ سے خفا نہیں ہوتی
ع مجھ کو میری ماں کی میلی اوڑھنی اچھی لگی
ع میں گھر میں سب سے چھوٹا تھا مرے حصے میں ماں آئی

مغرب میں ماں باپ کو پھٹے ہوئے پاتابوں کی طرح گھر سے باہر پھینک دیا جاتا ہے۔منور رانا کے اندر کا احسان مند بیٹا ماں کو ایک دیوی کے روپ میں دیکھنا اور دکھانا چاہتا ہے کہ ہندستانی روایات ٹوٹنے نہ پائے۔ان کا کمال ہے کہ انھوں نے ادب میں ماں کی اہمیت سمجھائی مگر پھر یوں ہوا کہ بعض ایسے ایسے مادر و پدر آزاد شاعروں نے محض عام آدمی کے جذبات سے کھیلنے اور مشاعرہ لوٹنے کی ہوس میں ماں کو سرِ بازارِ سخن گویا شوپیس بنا کر Display کے لیے رکھ چھوڑا۔اب ’ماں‘ سکۂ رائج الوقت نہیں لگتا بلکہ نوٹ بندی کی طرح ترقی پسندوں کے دار و رسن کی بھینٹ چڑھ گیا۔یہ منور رانا کا ہنر ہی تو ہے کہ انھوں نے اس موضوع کو حرفِ آخر بنا کر اس پر اپنے آخری دستخط ثبت کر دیے۔

منور رانا کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو کبھی دہراتے نہیں۔ یہی خوش سخنی انھیں زندہ رکھے ہوئے ہے:

میں نے لفظوں کو برتنے میں لہو تھوک دیا
آپ تو صرف یہ دیکھیں گے غزل کیسی ہے

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں:

ع مری جیسی غزل مت کہہ پسینہ چھوٹ جائے گا

ہر فن کار کو گلہ رہتا ہے کہ اس کی ویسی قدر نہیں ہو رہی ہے جیسی کہ ہونی چاہیے چنانچہ منور رانا کہتے ہیں:

مرا مقام ترے شہر نے نہیں سمجھا
اگر میں دلّی میں رہتا تو میرؔ ہو جاتا

اچھا ہوا کہ یہ میرؔ میں ضم نہیں ہو گئے ورنہ کئی سودائی دریائے میرؔ میں غرق ہو چکے ہیں یہ کیا کم ہے کہ منورا اپنے لب و لہجے میں کسی رانا سے کم نہیں۔

غالبؔ نے کہا تھا کہ میں دوستوں کا کلام دشمن کی نظر سے دیکھتا ہوں اور میں منور رانا کو دوست رکھتا ہوں، اس لیے خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے۔بعض قلم کار شمع، بیسویں صدی، روبی، بانو وغیرہ کے معیار کے مطابق عوامی نظمیں، غزلیں اور افسانے تخلیق کرتے تھے اور وہیں چھپتے بھی تھے۔شب خون، شاعر، سوغات، نقوش، ادبِ لطیف، افکار، سیپ وغیرہ کے لیے لکھتے ہوئے کچھ اور ہنر دکھاتے تھے جیسے مشاعروں میں عام سامع کے جذبات کی عکاسی کرنا ویسے ہی الگ ہے جیسے کسی خالص ادبی رسالے کے سنجیدہ معیاری قاری کی توقعات پر پورا اترنے والی تخلیق پیش کرنا اور یہ سنجیدہ قاری نقاد بھی ہو سکتا ہے۔

منور رانا نے کہیں کہیں سہل انگاری سے کام لیا ہے:

کئی باتیں محبت سب کو بنیادی بتاتی ہے
جو پردادی بتاتی تھی وہی دادی بتاتی ہے

وعلیکم السلام کا حقدار وہ بھی ہے
جس نے کبھی سلام علیکم نہیں کیا

ایسے اشعار بھلے ہی مشاعروں میں چل جائیں لیکن سنجیدہ ذہن ان پر زیرِ لب مسکرا دیتے ہیں۔یہیں سے ادب اور بے ادبی کے بیچ اینٹ رکھ دی جاتی ہے۔

کسی کا قد بڑھا دینا کسی کے قد کو کم کہنا
ہمیں آتا نہیں نا محترم کو محترم کہنا

منور رانا دو گھوڑوں کی سواری کرتے ہیں۔ جیسے دل لبھانے والے شعر وہ کہتے ہیں اتنی ہی خط کشیدہ دل کش نثر لکھ کر اپنے قلم کی سرخ روئی کے نشان بھی چھوڑتے ہیں بقولِ خیرؔ:

قلم میں خون ہے لیکن قلم پہ خون نہیں
کہ لکھنے والے بڑے ہی ہنر سے لکھتے ہیں

مشفق خواجہ بصورتِ خامہ بگوش اپنی سخن شناسی کا ہنر دکھاتے ہوئے کسی کی تعریف بھی کرتے تو اس میں ذم کا پہلو نکل آتا تھا جب کہ منور رانا کسی کے بارے میں ایسی ویسی بات بھی کریں تو اس میں اس کی تعریف کا کوئی نہ کوئی گوشہ چھپا ہوتا ہے۔ان کے بیشتر فقرے ایسے دلچسپ ہوتے ہیں کہ احباب ایک دوسرے کو تحفے میں دے سکتے ہیں۔منور رانا کے فقرے کی گہرائی میں اترنے کے لیے گنگا سے گومتی تک جانا ہوتا ہے۔سالک لکھنوی کی بسیار گوئی کا خاکہ اڑاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”بہت زیادہ اولادیں ہوں تو باپ خود مشکوک رہتا ہے کہ یہ اسی کی اولاد ہے؟ یا ولدیت کے خانے میں لفّ ِ حریر ہے۔“

اب ولدیت کے خانے میں لفِ حریر کا مطلب سمجھنے کے لیے لکھنؤ کے حضرت گنجؔ کی کسی خوش ادا سے اس کی آپ بیتی سنتے ہوئے رسوا ہونا پڑے گا۔

منور رانا کے اندر ایک ایسا ایماندار بیٹھا ہوا ہے جو ہر بے ایمانی پر آنکھیں کھول کر بڑے بڑے ٹھاکروں سے برابری طلب کرتا ہے۔ ان کی تحریر جہاں چٹکیاں لیتی ہے وہیں رُلا بھی دیتی ہے۔ان کے قلم سے اپنے بھائی یحییٰ کا کرب انگیز نثری مرثیہ اتنا ہی اثر انگیز ہے جتنا کسی سات سو گرام کے ریوالور سے سات سو گولیوں کا داغا جانا۔ وہ اپنے والد کا ذکر بھی اتنے دل آویز انداز میں کرتے ہیں کہ یتیموں کو اپنے باپ کی یاد آجاتی ہے۔وہ اس ٹاٹا سفاری کی طرف پھر پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے جس کی طرف سے ان کے والد نے آنکھیں پھیر لی تھیں کہ سفاری کی قسمت میں ٹاٹا لکھا ہوا تھا۔

صاحبانِ قلم تو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں مگر لکھنا کوئی کوئی ہی جانتا ہے اور منور رانا کو قلم پکڑنا آتا ہے اور جس کو لکھنا آتا ہے اس سے دنیا ڈرتی بھی ہے۔ پنجہ کشی کی ہمت نہیں کرتی۔ ہاں محض قافیہ و ردیف کی بیساکھیوں کے سہارے سخن کا سفر طے کرنے والوں کو قلم زد کرنے کی جسارت کرسکتی ہے۔منور رانا جس کو اپنا موضوع بنائیں اس پر قرطاس و قلم ناز کرتے ہیں۔شہود و شاہد و مشہود کے لیے یہ ایک اعزازِ افضل، بیتِ عتیق کے لیے تمکینِ ہوش و شمیم قیصری ہے۔ان کی تحریروں میں ملیح آبادی آموں کی مہک کلکتے سے رائے بریلی تک پھیل کر اشتہا بڑھاتی ہے۔

منور رانا کا حکیم، مشفق خواجہ کا لاغر مراد آبادی ہے جن کے کندھوں پر بندوق رکھ کر دونوں نے نشانے بازی کی ہے۔

کچھ شخصیتیں فی نفسہٖ بڑی ہوتی ہیں اور کچھ شخصیتوں کو محدب شیشوں کی مدد سے دیکھا اور دکھایا جاتا ہے مگر منور رانا اپنے قلم سے ان کے قد و قامت کو ناپتے ہوئے ڈنڈی نہیں مارتے وہ چاہے خمار بارہ بنکوی ہوں کہ ساغر اعظمی، راز الہ آبادی ہوں کہ قیصر شمیم، بیکل اتساہی ہوں کہ شہود آفاقی، اعزاز افضل ہوں کہ سالک لکھنوی، منور رانا نے نہ صرف اپنے قلم کو سرنگوں ہونے نہیں دیا بلکہ قد آوروں کا حق بھی ادا کیا البتہ قلم کی جھونک میں وہ یگانہ چنگیزی سے بھی ہمدردی دکھاتے ہیں کہ منہ کالا کر کے ان کی رسوائی لکھنوی تہذیب کا المیہ ہے حالاں کہ ہمارا خیال ہے کہ جب تک یگانہ غالب یا اللہ میاں سے کھلواڑ کرتے رہے کسی نے نوٹس نہیں لی مگر جب انھوں نے کلام اللہ اور رسول اللہؐ کی شان میں گستاخی شروع کی تو پھر ان کا منہ کالا ہوا۔’یگانہ۔احوال و آثار‘ میں نیّر مسعود نے یگانہ کے تاریک پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔اس میں شک نہیں یہ شاعر اچھا تھا۔کوئی شاعر و ادیب شخصی طور پر گھٹیا آدمی ہو تو سکتا ہے مگر گھٹیا پن حد سے گزر جائے تو پھر اسے خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔

منور رانا بڑھاپے کے عشق اور سرعتِ انزال پر بھی اپنے امساکِ قلم سے کام لیتے ہیں۔جوان عورت اور از کار رفتہ طوائف کی نفسیات پر بھی ’روشنائی‘ ڈالتے ہیں۔خانہ ساز سگریٹ کی تفصیل، قوتِ باہ کی گولی اور گالی کے مابین رشتہ تلاش کرتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ ان کے خاکوں کی تلخیص کی جاسکتی ہے ایسے ہی جیسے کرشن چندر کے ناول کو ناولٹ میں آسانی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔کریں بھی کیا کہ بعض وقت پاکٹ سائز قلم کار کا ہوادار لوگو Logo ادب کے چوراہے پر لٹکانا بھی تو ہوتا ہے۔مختصر نویسی سے نہ لکھنے والے کی تشفی ہوتی ہے، نہ لکھوانے والے کی تسکین اور نہ ان کی تسلی ہوتی ہے جن پر لکھا جاتا ہے۔

منور رانا کا قلم اک ایسا کبوتر لگتا ہے جو کبھی دہلی کی آباد و ویراں مسجدوں کے میناروں پر بیٹھتا ہے تو کبھی لکھنؤ کے امام باڑوں پر اپنی چونچ تیز کرتا ہے، کبھی کسی حکیم کے لیے انڈے مہیا کرتا ہے تو کبھی کسی نیتا کے سر پر بیٹ کرتا ہے تو کبھی کسی فقیر کی کھولی میں رات گزارتا ہے، کبھی کسی طوائف سے آنکھ لڑاتا ہے تو کبھی کسی عاشقِ نامراد کو غٹر غوں سکھاتا ہے۔کہیں پَر مارتا ہے تو کہیں پر سُکھاتا ہے۔اب طے کرنا یہ ہے کہ آخر یہ سفید جنگلی کبوتر ادب کی کس چھتری پر اُترتا ہے۔

کتابیات:

۱- غزل گاؤں
۲- کہو ظلِ الٰہی سے
۳- بغیر نقشہ کا مکان
۴- مہاجر نامہ
۵- ماں
۶- سفید جنگلی کبوتر

ڈاکٹر رؤف خیر
9-11-137/1، موتی محل، گولکنڈہ، حیدرآباد 500008 (تلنگانہ)
E-mail: raoofkhair@yahoo.co.in

میانِ من و تو
(تحقیقی و تنقیدی مضامین)
پروفیسر شاہد کمال
قیمت: 500 روپے

ہندستان میں میرؔ کے تمام مخطوطات کو انجمن میں جمع کرنا عظیم کارنامہ: سفیرِ ایران

سہ ماہی 'اردو ادب' کا میرؔ نمبر مطالعاتِ میرؔ کی راہوں کو گل پوش اور روشن کرے گا: شریف حسین قاسمی

نئی دہلی (11 جنوری)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے مرکزی دفتر اردو گھر کے اوڈیٹوریم میں تقریر کرتے ہوئے ہندستان میں ایران کے سفیرِ کبیر ڈاکٹر ایرج الٰہی نے کہا کہ انجمن نے نہ صرف میرؔ کے کلامِ نثر و نظم کے تمام مخطوطات کو اپنی لائبریری میں جمع کرکے اور نور مائیکروفلم کے ذریعے ان مخطوطات نیز لائبریری کے دیگر مخطوطات کے وسیع تر استفادے کے لیے ڈیجیٹائزیشن سے ایک ایسے وقت میں اہم ترین کارنامہ انجام دیا ہے جب کتب خانے تیزی سے تباہ ہو رہے ہیں۔ انھوں نے میرؔ کی خودنوشت 'ذکرِ میر' کے مکمل متن کی بازیافت پر انجمن کو مبارک باد دیتے ہوئے اور اس کے نہایت عمدہ ترجمے کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ ہرچند کہ مجھے اردو نہیں آتی مگر میرے جن رفیقوں نے بھی ڈاکٹر صدف فاطمہ کا یہ ترجمہ پڑھا ہے، انھوں نے اس ترجمے کو بے مثال ترجمے سے تعبیر کیا ہے۔ یہ نہ صرف میرؔ کے کلام کی صحیح تفہیم میں معاون ہوگا بلکہ صدف فاطمہ کے ان عالمانہ حواشی کا بہت فائدہ ہوگا جن کے لکھنے میں انھوں نے نہایت دقتِ نظری کا ثبوت دیا ہے۔ امید کہ انجمن 'ذکرِ میر' کے اس مترجمہ حصے کے ساتھ آئندہ فارسی متن اس لیے شائع کردے گی کیوں کہ اس متن سے فارسی داں لوگوں کے لیے بھی میرؔ کی شاعری اور زندگی کی تفہیم آسان ہوجائے گی۔

جلسے کے افتتاح سے پہلے سفیرِ کبیر نے انجمن کی لائبریری میں ان مخطوطات کی نمائش کا افتتاح کیا اور وہاں اخباری نمائندوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ کاش ہندستان میں اردو اور فارسی کی ہر لائبریری ایسی ہی مثالی ہوجائے۔

جلسے کا کلیدی خطبہ فارسی کے عالمِ بے بدل پروفیسر شریف حسین قاسمی صاحب نے پڑھا۔ انھوں نے کہا کہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اردو میں اب تک میرؔ پر ایسا کوئی شمارہ شائع نہیں ہوا جو 'اردو ادب' کے اس مثالی نمبر کے ہم پلّہ ہو۔ انھوں نے ایرانی سفیر سے درخواست کی کہ انھیں اس شمارے کو دنیا کی ہر اس لائبریری میں پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں علومِ شرقیہ اور فارسی کے طالبِ علم ہوتے ہیں۔ قاسمی صاحب نے یہ بھی کہا کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی لائبریری کی چند ہزار باقی ماندہ اردو اور فارسی کتب کو بھی نور مائیکروفلم کو اسی سلیقے سے ڈیجیٹائز اور ایسی ہی خوب صورت جلد بندی کرنی چاہیے جو نور مائیکروفلم سنٹر کا اختصاص ہے۔ سفیرِ کبیر نے اپنی تقریر جو کہ قاسمی صاحب کے بعد کی تھی، میں وعدہ کیا کہ ایران کلچرل ہاؤس ان کے تمام مشوروں پر جلد ہی عمل شروع کرے گا۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کے لائف ٹرسٹی اور ماہرِ قانون اور سابق وزیرِ خارجہ سلمان خورشید صاحب نے کہا کہ ان کے نانا ڈاکٹر ذاکر حسین نے عمر بھر ادارہ سازی ہی کی مگر جس عزت و احترام کے ساتھ انجمن کو ان کی وراثت پر ناز ہے، انھوں نے کسی اور ادارے میں اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔ انھوں نے یہ اعتراف بھی کیا کہ مجھے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اسلامیہ کالج کے ذخیرے کو ذاکر صاحب نے ہی علی گڑھ منتقل کیا تھا اور اس میں 'ذکرِ میر' کا اہم ترین متن بھی تھا۔ انھوں نے مزید کہا کہ میں نے اپنے گھر میں انجمن کا نام ذاکر صاحب کی اس تحریک کے حوالے سے سنا تھا جس میں انھوں نے 20 لاکھ سے زیادہ دستخط جمع کرکے صدرِ جمہوریہ کو پیش کیے تھے مگر کبھی انجمن سے میرا رابطہ نہیں رہا اور اب جب اس ادارے کو بغیر کسی سرکاری گرانٹ کے گاندھی جی اور ذاکر صاحب کی خواہش کے مطابق عزتِ نفس اور استغنا کے ساتھ ترقی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ بزرگ جہاں بھی ہوں گے، خوش ہوں گے۔

پروفیسر اختر الواسع نے پروفیسر شریف حسین قاسمی کی تجاویز اور سفیرِ کبیر ایران کے ذریعے انھیں منظور کرنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ 'اردو ادب' کا میر تقی میرؔ نمبر مطالعاتِ میر میں نئی عمارت کی سنگِ بنیاد ہے۔ انھوں نے انجمن کی تمام ترقی اور ان تاریخ ساز کاموں کو نہایت خاموشی سے اور بغیر اردو کے مجاہد کی امیج بنانے کی کوشش کے بغیر صوفیوں کی طرح کام کرنے والے صوفی صفت اطہر فاروقی کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا جنھوں نے اس ادارے کے لیے اپنی صحت بھی برباد کرلی۔ انھوں نے اس پر زور دے کر کہا کہ انھیں امید ہے کہ سلمان خورشید صاحب اور ایران کلچرل ہاؤس کا مشترک دل چسپی کے کاموں میں تعاون جاری رہے گا۔

☆☆☆

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریک مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، روڈگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***